آفتاب احمد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، چک 170، جھنگ

احمد جاوید کی افسانہ نگاری کا تجزیاتی مطالعہ

Aftab Ahmad
Assistant Professor Urdu, Govt Associate College, Chak 170, Jhang

An Analytical Study of Ahmad Javed's Short Story writing

ABSTRACT

Ahmed Javed is a fiction writer who made his mark after 1960 promoting symbolic fiction. He published four volumes of short stories as his legacy, i.e. "Ghair Aalamati Kahani, Chidya Ghar, Gum-Shuda Shehar Ki Dastan and Raat Ki Rani". He has written mostly on topics regarding resistance, political coercion, social stagnation, human exploitation and gender discrimination. This article comprises analytical and critical study of his short stories.

Keywords: *Ahmad Javed, Urdu Short Stories, Symbolism, Resistance, Ghair Alamti Kahani, Chidya Ghar, Gum-shuda Shehar Ki Dastan, Raat ki Rani, stagnation, exploitation, gender discrimination.*

جدید اردو افسانے کی روایت میں ایک اہم نام احمد جاوید کا تعلق افسانہ نگاروں کی اس پود سے ہے جنہوں نے ساٹھ کی دہائی میں لکھنا شروع کیا لیکن ان کی پہچان ستر کی دہائی میں بننا شروع ہوئی۔ ان کے معاصرین میں محمد منشا یاد ،ڈاکٹر رشید امجد، خالدہ حسین، احمد داؤد، رخسانہ صولت فردوس حیدر، ڈاکٹر اعجاز راہی اور ڈاکٹر مرزا حامد بیگ قابل ذکر ہیں۔ قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں افسانہ نگاروں کا غالب موضوع فرقہ وارانہ فسادات اور ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل تھے۔ مدت بعد انتشار اور افراتفری کا دور ختم ہوا تو افسانہ نگاروں نے محبت، حب الوطنی، رسم ورواج کی جکڑ بندی کے ساتھ ساتھ، سماجی اقدار و انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بنانا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور سیاسی رہنماؤں کی خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ سیاست ، چوری، رشوت، سمگلنگ اور دیگر موضوعات کے بارے میں لکھا۔ کچھ عرصہ گزرا تو افسانے میں موضوعات کی یکسانیت محسوس کی جانے لگی تو اس

Article (1-1-5) Published on 28-12-2023
Tashkeel, Department of Urdu, University of Jhang, E mail: tashkeel@uoj.edu.pk
12KM, Chiniot Road, Jhang, Punjab, Pakistan. 047-7671240

صورت حال کے پیشِ نظر افسانہ نگاروں نے الگ الگ موضوعاتی اور فنی راہیں نکالنے کا سوچا۔ اس زمانے میں ایک بڑی سیاسی تبدیلی بھی واقع ہوئی اور وہ یہ کہ فوجی حکومت نے تسلط قائم کر کے جمہوریت، بنیادی حقوق اورآزادی تحریر و تقریر کی بساط لپیٹ دی۔ اس صورت حال میں افسانہ نگاروں نے ضروری سمجھا کہ آزادی تحریر وتقریر کو مقدم رکھ کے افسانہ نگاری کا سفر جاری رکھا جائے۔ گویا افسانہ لکھنا ایک قومی خدمت قرار پایا۔ مغربی افسانے کے زیر اثر کچھ نے حقیقت پسندانہ افسانے تو کچھ نے علامتی اور تجریدی انداز اختیار کیا اور اس طرح علامت نگاری کا رجحان خاصا بڑھ گیا۔ اس رجحان کے تحت افسانہ نگار اپنا مافی الضمیر علامتوں اور استعاروں میں بیان کرنے لگے۔ تجریدی افسانہ ارتقائی منزلیں طے کر تا رہا اور انتظار حسین، محمد منشایاد، ڈاکٹر انوار سجاد، ڈاکٹر رشید امجد، خالدہ حسین، احمد داؤد، رخسانہ صولت، فردوس حیدر، ڈاکٹر اعجاز راہی اور ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے نت نئے تجربات اور اردو افسانے کو نہ صرف اعتبار بخشا بلکہ افقی اور عمودی دونوں حوالوں سے ثروت مند بنایا۔ انہوں نے علامتی اسلوب کے ساتھ قارئین کا ایک نیا حلقہ بنایا جو وقت کی عین ضرورت تھا۔ بقول جوگندر پال:

"حیات کے بدلتے ہوئے معنی کی بہتر ادائیگی کے لئے نئی نئی اور بہتر تکنیک ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان کی بدولت ہمارے نئے مسائل کا ایک فطری اور نیا اظہار ہو۔" (1)

احمد جاوید کا تعلق افسانہ نگاروں کے اسی قبیلے سے ہے جنہوں نے نئی تکنیک، نئے موضوعات اور نئے انداز کو اپنایا اور اپنی انفرادیت اور تخلیقی صلاحیت سے جدید اردو افسانے کو ارتقائی منزلیں طے کرنے میں مدد دی۔ احمد جاوید نے وقت کے تصور، سیاسی جبریت، سماجی استحصال، ناسٹلجیائی فکر، عورت کے حقوق، معاشرتی جمود اور سامراجی ریشہ دوانیوں کے بارے علامت اور تجرید کے پیرائے میں خوبصورت کہانیاں لکھنے کا جو سلسلہ ستر کی دہائی سے شروع کیا، اسے تاحال قائم رکھا ہوا ہے۔ احمد جاوید کا پہلا افسانوی مجموعہ "غیر علامتی کہانی" 1983ء میں گندھارا بکس، راولپنڈی سے چھپا۔ افسانوی مجموعے میں کل 16 افسانے ہیں جن میں "پیادے" اور "کولہو کا بیل" نمائندہ ہیں۔ مارشل لاء عہد کا جبر تمام افسانوں کا اہم موضوع ہے۔ "پیادے" ایک ایسا افسانہ ہے جس میں گزشتہ کئی ہزار سال میں اس خطے کے عام آدمی پر گزرنے والی بپتا کو بیان کیا گیا ہے اور آخر میں اسے اپنے عہد سے جوڑ دیا گیا ہے۔ "پیادے" احمد جاوید کے نمائندہ افسانوں میں سے ایک ہے جو انسانی تاریخ کے مختلف ادوار کو سامنے لاتا ہے کہ عام انسانوں کا مقدر ہمیشہ کا یکساں رہا ہے۔ عام آدمی یا مڈل کلاس وہ طبقہ ہے جس کا استحصال ہر دور میں کیا گیا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں جب کبھی بھی حملہ آور آئے اور فاتح بنے تو انہوں نے اسی طبقہ کو غلام بنالیا اور ان سے خدمت کروائی۔ احمد جاوید "پیادے" میں لکھتے ہیں:

"لوٹ مار کی شاموں میں ہمیشہ نفسا نفسی ہوتی ہے۔ وہ روندتے ہوئے، کچلتے ہوئے، ہانکتے ہوئے پھلتے چلے گئے۔ آگ اور دھوئیں کا غبار اترا تو غلام پابہ زنجیران کے روبرو تھے۔ ہمیں بتایا گیا، خدمت گزارو اور غلامو! تم ہمیشہ سے فتح کئے جانے کے لئے تھے۔ ہم نے دعاؤں میں گھوڑوں اور مویشیوں کے ساتھ مانگا، سو پالیا۔"(2)

برصغیر کے خطے کی تاریخ، صدیوں سے ہوتا ہوا انسانوں کا استحصال اور وقت کے جبر کو جس انداز میں افسانے میں برتا گیا ہے اس سے ان کے تاریخی شعور کا اندازہ ہوتا ہے کہ عام طبقے کے خواب کبھی پورے نہیں ہوتے بلکہ وہ مکمل طور پر اسیر ہوتے ہیں اور ساری زندگی آزادی کے خواب آنکھوں میں سجائے رکھتے ہیں اور بالآخر ایک دن یونہی مر جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر لکھتے ہیں:

"فرانز فینن کی طرح احمد جاوید کے افسانوں کا موضوع بھی روندتے اور کچلتے ہوئے وہ لوگ ہیں جو صدیوں سے پامال ہوتے آرہے ہیں۔ آریاؤں کے دور سے لے کر اب تک احمد جاوید کی دانست میں پامالی کا یہ سلسلہ نہیں ٹوٹا۔"(3)

"غیر علامتی کہانی" افسانوی مجموعے میں سیاسی، سماجی اور مزاحمتی رویوں کے ساتھ ماضی کی بازگشت اور آثار کا ذکر بھی واضح نظر آیا ہے جو افسانہ نگار کی ماضی کے ساتھ وابستگی اور شعور کا گہرا احساس دلاتا ہے۔ ڈاکٹر قاضی عابد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"پیادے" افسانے میں اساطیری نشان موجود ہیں۔ اس افسانے میں ماضی کی بات کی گئی ہے جو ابھی عالم امکان میں ہے۔ امکانی ماضی کی روایت کو گزرے ماضی کی روایت سے جوڑ دیا گیا ہے۔ رگ وید سے پہلے کے زمانے کے ساتھ ایک تعلق یوں ملتا ہے۔" جب کھدائی پر شہر دریافت ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ ان کی صبحیں اور شامیں دریافت نہیں ہوتیں، صرف عمارتوں کے کھنڈر سامنے آتے ہیں۔"(4)

افسانہ "کولہو کا بیل" ایک شاہکار افسانہ ہے جس میں اس نظام کو زیر بحث لانے کی کوشش کی گئی ہے جو سامراجی ورثہ ہے۔ سامراج کے پیدا کردہ نظام سے غلاموں کو کبھی آزادی کا احساس تک نہیں ہوتا اور وہ کولہو کے بیل کی طرح کاوش کے معنی اور سمت متعین کرنے کے اختیار سے محروم ہیں۔ اس افسانے میں احمد جاوید کا آہنگ اتنا بلند ہے کہ رزمیہ اور مزاحمتی محسوس ہوتا ہے۔ "کولہو کا بیل" ایک ایسا افسانہ ہے جس میں سامراج کا جبر لوگوں کی زندگیوں کے ساتھ اس طرح وابستہ کر لیا گیا ہے کہ سامراجی عہد میں جینا ہی ان کا مقدر بن گیا ہے۔ صدیوں سے غلام رہنے والے انسان ظلم کی چکی میں اس طرح پس رہے ہیں کہ آزادی کا خواب ان کی دانست میں ایک مافوق الفطرت تحیر

اختیار کر چکا ہے۔ "کولہو کا بیل" علامت استعمال کر کے دراصل افسانہ نگار نے ہمیں عہد کے کرب سے جس طرح روشناس کرایا ہے اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ انسان حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں اور غلامی ایک ایسی لعنت ہے جس کے اثرات آنے والی نسلوں میں بھی منتقل ہو جاتے ہیں۔ افسانے میں استحصال اور غلامی کو جس طرح بیان کیا گیا ہے اس سے عہد کے سامراجی نظام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اس حوالے سے افسانہ نگار کے بلند آہنگ کو شدت سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر قاضی عابد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"یہ افسانہ بنیادی طور پر اس دھرتی پر جنم لینے والے انسان کی شناخت کے مسئلے سے جنم لیتا ہے۔ احمد جاوید کی یہ کہانی دھرتی کے سپوتوں کی کہانی ہے اور قدیم ترین ہندوستان سے اپنے تشخص کا سوال ہے۔"(5)

احمد جاوید کے افسانے "کولہو کا بیل" سے ایک اقتباس:

"کیا تمہاری کوئی ماں نہیں۔۔۔۔۔۔ میں اب مانگتا ہوں، ان آنکھوں کو جو نکال دی گئیں، ان ہاتھوں کو جو کاٹ دیے گئے۔ یہاں آگ ہے، وہاں آگ ہے، میں سلگتا ہوں، تم نہیں سلگتے، ظالمو! ہنٹر مار مار کر میرا ناس کرتے ہو۔ میں کولہو کا بیل نہیں، اپنی آنکھوں سے پٹی کھولو۔۔۔۔۔ تم کون ہو؟۔۔"(6)

احمد جاوید نے وقت کے جبر کو انسانوں کے کرب کے ساتھ جس انداز میں جوڑ دیا ہے اس سے ان کی تخلیقی فکر اور شعور کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے افسانوی بیانیے کے تجربے میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔ احمد جاوید کی افسانہ نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر ناہید قمر لکھتی ہیں:

"احمد جاوید کے افسانوں میں تجربے اور واردات کے بیان میں یہ جو وقت کا اتنا زیادہ عمل دخل نظر آتا ہے یہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ واقعہ وقت کے ساتھ سفر کرتے ہوئے کہانی تو بن ہی جاتا ہے ساتھ ہی ماضی اور حال میں تقسیم بھی ہو جاتا ہے یہ ماضی اور حال یادداشتوں کے دھاگے سے ایک دوسرے سے منسلک رہتے ہیں۔"(7)

احمد جاوید کا دوسرا افسانوی مجموعہ "چڑیا گھر" ہے جو 1994ء میں گندھارا بکس، راول پنڈی سے چھپا۔ اس افسانوی مجموعے میں کل بارہ افسانے ہیں جو علامتی فکر کے حوالے سے معاشرتی جمود کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ احمد جاوید کے چڑیا گھر میں جمود کی صورت حال کو اس طرح سے پیش کیا گیا ہے کہ کروڑوں عوام اپنی بزدلی، کم ہمتی اور خوف کی وجہ سے وزیروں اور سرمایا داروں کے چند گھرانوں کی بھیڑ بکریاں بنے رہتے ہیں۔ وہ انہیں لاٹھی سے جدھر چاہیں دھکیل لے جاتے ہیں اور افسر شاہی نے انہیں کیڑے مکوڑوں میں بدل دیا ہے۔ دوسرے افسانوی مجموعے میں "چڑیا

گھر" اور "جنگل جانور آدمی" اہم افسانے ہیں۔ افسانہ "چڑیا گھر" ایک نمائندہ افسانہ ہے جس میں افسانہ نگار اس افسانے کی وجہ سے چڑیا گھر میں موجود جانوروں کے ساتھ وہ صفات منسوب کرتے ہیں جو ان کے اندر موجود ہیں۔ افسانہ نگار کا خیال ہے کہ یہ ایک ضرر رساں سماجی شعور بچوں میں منفی رویہ جنم دے گا اور جس سے آنے والی نسل انسانی اقدار سے محروم رہے گی۔ اس سماجی شعور کے نتیجے میں انسانوں میں نفسا نفسی اور خود غرضی جیسے احساسات جنم لیں گے جو کسی بھی معاشرے کو غیر مستحکم کر سکتے ہیں۔ افسانہ نگار کا خیال ہے کہ چھوٹے بچوں میں انسانی قدروں کا نہ ہونا بڑوں کی ناقص تربیت کی وجہ سے ہے۔ احمد جاوید اپنے افسانے "چڑیا گھر" میں لکھتے ہیں:

> "زندہ رہنے کے لیے ایک دوسرے کو کھانا پڑتا ہے۔ دھکیلنا پڑتا ہے۔ پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ ہم کچھ ایسی ہی باتیں بچوں کو بتاتے، سکھاتے، سمجھاتے اور انھیں مقابلے کے لیے تیار کرتے جو آگے چل کر انہیں در پیش تھا۔"(8)

افسانہ نگار دراصل ہمیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وحشی، خونخوار، بے رحم، مفاد پرست اور ظالم حکمران نے جانوروں کی طرح انسانوں کو ہانکنا وطیرہ بنالیا ہے۔ طاقت کے بل پر جبر و استبداد اور خوف وہراس کے ذریعے آمر حکمرانوں نے انسانوں سے ان کی وہ فطری صلاحیتیں چھین لی ہیں جو انہیں انسان کے مرتبے پر لے جاتی ہیں محمد منشایاد "چڑیا گھر" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "کسی معاشرے میں جہاں عدل و انصاف کا فقدان ہو، جنگل کا قانون ہو، جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہو، وہاں انسان دو واضح گروپوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ شکار کرنے والے اور شکار ہونے والے۔"(9)

"جنگل جانور آدمی" بھی ایک اہم افسانہ ہے۔ افسانے میں جنگل، جانور اور آدمی سب ایک دوسرے کی جون بدل لیتے ہیں۔ کہیں انسان جنگل کی ہیبت سے پناہ مانگتا ہے اور کہیں سارا جنگل بیک زبان سے آزادی کا طالب ہے۔ شجر اگر انسان ہیں تو دھرتی کی قید میں جکڑے ہوئے اور خود انسان جنگلی مزاج کے ہاتھوں میں کھلونا۔ ڈگڈگی کی آواز پر تماشا دکھانے والا جیسا کہ افسانہ نگار نے نہایت خوبصورت انداز میں منظر کشی کی ہے۔ ہر طرف جنگل کا قانون رائج ہوتا ہے۔ چنانچہ مسرت نیلم پروین لکھتی ہیں:

> "افسانہ نگار داستان گو کے سے انداز میں کبھی دل لگی کرتے ہوئے، کبھی غصے جھنجھلاہٹ اور کبھی دکھ کی ایک دبیز تہہ داری کے اسلوب میں انسان کی منفی فطرت سے یکے بعد دیگرے نقاب اٹھاتا چلا لاتا ہے۔ اس کی کہانیاں دیو مالائی لگتی ہیں جہاں شجر، حجر، چرند، پرند اور درند باتیں

کرتے ہیں، سوچتے ہیں، غور کرتے ہیں اور انسان چوتھے گھونٹ جانے کے جرم میں ایسا پتھر بن جاتا ہے جس پر کبھی ظلم وزیادتی کا اثر ہی نہیں ہوتا۔"(10)

"چڑیا گھر" افسانوی مجموعے میں علامت کے استعمال کا تجربہ کیا گیا اور حشرات الارض کی تمثیل سے وقوع پذیر ہوا۔"چڑیا گھر" افسانوی مجموعے کے تمام افسانے علامتی انداز میں اس طرح لکھے گئے ہیں کہ ان کا علامتی نظام افسانہ نگار کے فنی عروج کی نشان دہی کرتا ہے۔ڈاکٹر قاضی عابد "چڑیا گھر" کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"چڑیا گھر" کے افسانے فیبل کی روایت کی ذیل میں آتے ہیں۔"(11)

"چڑیا گھر" افسانوی مجموعے میں جتنے افسانے شامل ہیں وہ تمام تر علامتی افسانے ہیں اور احمد جاوید نے علامت کے خوبصورت استعمال سے علامتوں کے ذریعے ایسے موضوعات کی طرف اشارات کیے ہیں جن سے جانوروں کے خصائص کو ایک ظالم حکمران کے ساتھ جوڑ کر افسانہ نگار نے اپنے عہد کی سماجی صورت حال کو اس طرح بیان کر دیا ہے جس سے ان کی فنی پختگی کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔

"چڑیا گھر" کے حوالے سے ڈاکٹر فوزیہ اسلم لکھتی ہیں:

"احمد جاوید جدید عہد کے ان لکھاریوں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں موضوع کے انتخاب کا گیان اور تکنیک کا شعور ودیعت ہے۔ وہ ایک صاحب اسلوب افسانہ نگار ہیں۔ ان کی علامتیں ان کی فکری زمین سے پھوٹتی ہیں۔ وہ اپنے لیے ماحول سے علامت اکھٹی کرتے ہیں اور کہیں کہیں جانوروں کی نفسی صفات کو بھی علامات بناتے ہیں۔"(12)

"گمشدہ شہر کی داستان" احمد جاوید کا تیسرا افسانوی مجموعہ ہے جو 2002ء میں گندھارا بکس، راول پنڈی سے چھپ کر سامنے آیا۔ اس افسانوی مجموعے میں کل پندرہ افسانے ہیں جن میں "گمشدہ شہر کی داستان" اور "جلتی بجھتی رات" اہم افسانے ہیں۔ یہ کتاب مختصر ہے لیکن احمد جاوید کے تخلیقی معیارات کی ایک واضح پہچان ہے۔ گمشدہ شہر کی داستان میں بنیادی بات گمشدگی ہے۔ گمشدہ وہی ہوتا ہے جو موجود ہو جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو اس کی گمشدگی چہ معنی دارد۔

افسانہ "گم شدہ شہر کی داستان" میں معاشرے کے جمود کو موضوع بنایا گیا ہے اور تخلیقی اپج کے ذریعے آمریت کے دور میں جبر و تشدد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوگوں کی بے حسی اور ٹھہراؤ پر ماتم کیا ہے۔ ہر طرف گمشدگی کا منظر ہے۔ لوگ خواب خرگوش کی نیند سو رہے ہیں اور ان کی غفلت کی وجہ سے تباہی و بربادی ان کا مقدر بن گئی ہے۔ احمد جاوید ایک مثبت سوچ کی بدولت جمود کی کیفیت کو توڑنا چاہتے ہیں اور معاشرے میں تبدیلی کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ احمد جاوید اپنے افسانہ "گمشدہ شہر کی داستان" میں لکھتے ہیں:

"وہ شخص کہ جو آزاد تھا سودائی ہو گیا۔ پہلے اس نے گریباں چاک کیا پھر بال نوچے اور ایک نعرہ مستانہ بلند کیا کہ بھلا ہوا ان سب کا کہ جن کے دم سے شہر گم ہوا کہ اب نہ کوئی روزن ہے نہ کسی کے گھر جھانکیے اور نہ در و دیوار کہ چھپ سکے۔ سب ظاہر ہونے والا تھا سب ظاہر ہوا۔ یہ کہہ کر وہ ان سے جدا ایک کونے میں پڑ کر سو رہا۔ لوگوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور سوچا کہ اب نیند ہی نجات کا آخری راستہ ہے۔" (13)

گمشدہ شہر کی داستان میں افسانہ نگار نے معاشرے میں جامد کیفیت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے اور ظالم حکمران کے نظام حکومت پر تنقید کرتے ہوئے لوگوں کو شعور سے روشناس کرایا ہے۔ افسانہ نگار کا یہ دعویٰ ہے کہ لوگو ں کو شعور دے کر ہی آمر سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ "گمشدہ شہر کی داستان" کے حوالے سے ڈاکٹر نوازش علی لکھتے ہیں:

"احمد جاوید اپنے موضوعات اور منفرد اسلوب کی علیحدہ سے شناخت کروانے میں کامیاب رہا ہے۔ بامعنی علامت نگاری اور تاثراتی بیانیے کی بدولت وہ اپنی پہچان پیدا کر چکا ہے اور افسانے کی روایت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔" (14)

افسانہ "جلتی بجھتی رات" میں افسانہ نگار کا انداز ناصحانہ ہے۔ وہ معاشرتی مسائل، الجھنوں اور سماجی استحصال کا حل عمل کو قرار دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو اس بات کا درس دیتا ہے کہ انسان کا عمل اس کی تقدیر بدل دیتا ہے اور اس کے مقدر کی نوید بن کر آتا ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور نائب خدا ہے جو عزم صمیم اور جہد مسلسل سے کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے۔ احمد جاوید کے افسانے "جلتی بجھتی رات" سے ایک اقتباس:

"مت کاٹو میری بات اور اب غور سے سنو۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ تم نے بہت سنا ہو گا اور میں نے دیکھا ہے۔۔۔ اندھوں کو دیکھا کہ ٹھوکر نہیں کھاتے۔۔۔۔۔ بہروں کو دیکھا کہ سب سنتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔۔ گونگے بھی دیکھے ہیں کہ لب نہیں کھولتے مگر بولتے ہیں۔۔۔ اور ایسے ایسے جغادری کہ قتل ہو جاتے ہیں مگر مرتے نہیں۔۔۔ دیکھنے اور سننے کا فرق جانو تو آگے کچھ کہوں۔۔۔۔" (15)

احمد جاوید نے اپنے افسانوں کے ذریعے لوگوں کو دعوت عمل پر اکسایا ہے جس سے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور وہ اپنی ایک نئی دنیا پیدا کر سکتے ہیں لیکن عزم اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔

ڈاکٹر شفیق انجم "گمشدہ شہر کی داستان" میں لکھتے ہیں:

"گمشدہ شہر کی داستان احمد جاوید کے تخلیقی معیارات کی ایک واضح پہچان ہے۔ احمد جاوید کے ہاں حالت جبر کا بیان گہرے سیاسی، سماجی اور معاشی شعور کا آئینہ دار ہے۔ مقامی، قومی، اور بین

الاقوامی سطح پر جو نفسا نفسی، چھینا جھپٹی اور استحصال کی ہوا چلی ہے اس نے انسانی زندگی میں زہر گھول کے رکھ دیا ہے۔ احمد جاوید کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کو نہ صرف خارجی سطح پر اپنے افسانوں میں سمویا ہے بلکہ داخلی جواز ابھارنے کو بھی قابو میں لائے ہیں اور کچھ ایسے انداز سے گرفت مضبوط کی ہے کہ ان میں سے کئی ایک افسانوں کی بڑی سے بڑی سطح پر بھی پرکھا جائے تو بھی معیار پر پورا اترتے ہیں۔" (16)

احمد جاوید کا چوتھا اور آخری افسانوی مجموعہ "رات کی رانی" ہے جو 2014ء میں پورب اکادمی، اسلام آباد سے شائع ہوا۔ اس افسانوی مجموعے میں کل بارہ افسانے شامل جو عورتوں کے وجوڑ کے عکاس ہیں۔ Patriarchal society میں عورت کو تخلیق سے لے کر موت تک دکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اپنے وجود کے تشخص کے لیے آغاز سے انت تک لامتناہی جدوجہد کر کے بھی وہ مقام حاصل نہیں ہو پاتا جس کی وہ حقدار ہے۔

افسانہ "بیر بہوٹی" میں عورت کو ایک کموڈیٹی کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ عورت اس فرسودہ معاشرے میں ایک شو پیس کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی قدر و منزلت بھیڑ بکری سے کم نہیں ہے۔ شادی بیاہ کی ارزل رسموں میں اس کے وجود کو بار بار ٹھیس پہنچتی ہے جس سے جیتے جی ایک ہی جیون میں موت سے پہلے ہزار بار مرنا پڑتا ہے۔ شادی کرنے کے لیے لڑکی نہیں بلکہ فرشتہ تلاشنے کے لیے عورت کو سر سے پاؤں تک اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح کسی جانور کی خرید و فروخت کر رہے ہوں۔ اکیسویں صدی میں بھی اس طرح کی سوچ عہد حاضر کے معاشرے پر ایسا داغ ہے جو کبھی بھی دھویا نہیں جا سکتا۔

"بیر بہوٹی" افسانے سے ایک اختباس:

"یہاں سب خوش ہیں۔ قلعہ فتح ہو چکا ہے اور فوجیں اندر داخل ہو گئی ہیں۔۔۔۔۔ ہر طرح کا مال غنیمت سازوسامان اور نوادرات دیکھنے لائق ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اور دیکھنے والوں کا ہجوم لگا ہے۔۔۔ بیشتر نے دانتوں میں انگلیاں داب رکھی ہیں۔۔۔ مگر کچھ کچھ کی پیشانی پر شکنیں بھی ہیں۔۔۔۔۔ شاید ان کی توقع سے کم ہے۔۔۔۔ مگر سب دیکھ رہے ہیں۔۔۔۔۔" (17)

بیر بہوٹی کی طرح "گالی" افسانہ بھی عورت کے وجود کو زیر بحث لاتا ہے جو کہ بیمار اور گھٹیا معاشرے کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہے۔ اس روایتی اور تنگ نظر سوسائٹی میں شادی دو روحوں کا ملاپ نہیں بلکہ جنسی ہوس اور نسل انسانی کے ارتقا کا وسیلہ ہے جس میں عورت کے وجود کا اعتراف نہیں بلکہ تذلیل کی طویل داستان ہے۔ مرد کا دل بھر جائے یا محض کی شک کی بنیاد پر وہ کبھی بھی تین لفظ "طلاق" کے بول کر زندگی بھر کے لیے اس عورت سے نجات حاصل کر سکتا ہے مگر مطلقہ کے لیے وہ ایسا کلنک کا ٹیکہ ہے جس کی تلافی ممکن ہی نہیں ہے۔

افسانے سے ایک اقتباس:

"وہ اختیار استعمال کرنے کے بعد فتح مندی سے سرشار کھڑا تھا اور یہ اس طرح خجل ہو رہی تھی جیسے اچانک بیچ بازار کسی نے اس سے چھیڑ خانی کی ہو۔ اس کا آنچل کھینچا ہو۔ اس کے جسم کو چھوا ہو۔ ایک بار اس کا جی چاہا کہ آگے بڑھ کر اپنے ناخنوں سے اس کا منہ نوچ لے۔ مگر پھر ضبط کیا کہ ابھی ایک التجا باقی تھی۔ اٹھی اور اپنے بازوؤں کو اپنے بیٹے کی طرف پھیلا دیا۔ مرد نے اسے آگے بڑھتے دیکھا تو بچے کا بازو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا۔ یہ میرا ہے۔۔۔۔۔۔" (18)

عورت کے وجود سے انکار اور کسی بھی رشتے میں اس کو مناسب مقام نہ ملنا اور اس کے بدلے بغاوت کا جنم لینا ایک فطری امر ہے۔ ذات کا جبر کسی انسان کے لیے نئے دریچے وا کرتا ہے اور انتقام کی کشمکش اسے ایک نئے موڑ پر لے جاتی ہے۔ جہاں سے اس کے تشخص کا سوال جنم لیتا ہے۔ مرد کی طرف سے سب کچھ ہو جانے کے بعد عورت ایک جہان تحیر برپا کر دیتی ہے کہ مرد کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

"گالی" افسانے سے اقتباس:

"ساری دنیا جانتی ہے اور تم بھی۔۔۔۔۔۔۔ کہ یہ بچہ میرے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ میں اس کی ماں ہوں۔ مگر کوئی نہیں جانتا جتی کہ تم بھی کہ جسے تم اپنا وارث کہہ رہے اور جس کے بغیر تم جی بھی نہیں سکتے اس کا باپ کون ہے۔۔۔؟" (19)

"قصہ غم کی ہیروئن" ایک زبردست محبت کا بیانیہ ہے اور اس کے ساتھ انسان کی زندگی سے وابستہ جہان خواب کی دنیا ہے۔ انسان جب صنف نازک سے محبت کا دم بھرتا ہے تو پھر اسی سلطنت کا باسی بن کر رہ جاتا ہے اور عورت کے وجود سے اس کا جہان محبت منور ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں عورت کا وجود نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے۔ بلکہ محبت کی کہانی کا ایک نیا موڑ بھی ہے جہاں ایک گوشت پوست کی محبت پر حقیقی ماما کی محبت غالب آگئی ہے تو جہاں ایک ٹریجڈی جنم لیتی ہے تو وہاں ماں کی محبت کے فتح نامے نے ہماری مرتی ہوئی اقدار کو از سر نو زندہ کر دیا ہے۔

افسانے سے ایک اقتباس:

"میری ماں نے میرے لیے ایک اچھے گھر سے رشتہ ڈھونڈا ہے۔۔۔۔۔ وہ اس کی بات پہ کھکھلا کے ہنس پڑی۔۔۔۔ وہ ایک سنجیدہ لڑکا تھا۔ اس سے کیسی ایسے مذاق کی توقع تو نہیں تھی۔۔۔ مگر یہ بات تو مذاق ہی لگتی تھی۔ میں سنجیدہ ہوں۔۔۔۔۔۔ اس نے نہایت مستحکم لہجے میں کہا۔۔۔۔ اس نے جب یہ سنا تو اب وہ سنجیدہ تھی۔۔۔۔ سنجیدہ تھی۔۔۔۔ رنجیدہ بھی۔ اور الجھی ہوئی بھی۔۔۔۔۔ مگر تم نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا۔۔۔۔ وہ ہکلانے لگی۔۔۔۔ کیا کروں

۔۔۔۔میں نے ایک وعدہ اپنی ماں سے بھی کیا تھا۔۔۔اور تم تو جانتی ہو ہم اپنی ماؤں کو بھولتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔" (20)

احمد جاوید کا اپنا ایک الگ اسلوب ہے جو اس کی افسانوی شناخت کو بر قرار رکھتا ہے۔ وہ چھوٹے اور بامعنی جملوں کے ساتھ ساتھ علامت خط اور علامت حذف کے استعمال سے وسعت معانی کی خبر دیتے ہیں۔ پہلے افسانوی مجموعہ غیر علامتی کہانی"میں مختصر جملے موجود ہیں جب کہ "چڑیا گھر" دوسرے مجموعے میں طوالت انگیز اور اوقات کے بغیر جملے ان کے بیانیے کو پر کشش بنا دیے ہیں۔ عبارت میں دھیما لہجہ، مکالماتی اور خود کلامیہ فضا اس کے تخیل کو بامعانی بناتی ہوئی قارئین کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

ڈاکٹر نوازش علی احمد جاوید کے اسلوب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جدید افسانہ نگاروں میں جس افسانہ نگار کو یہ شعوری احساس ہے کہ محض اسلوب نیا پن نہیں بلکہ ہم عصر کے ساتھ جڑا ہونا اہم ہے"(21)

وہ احمد جاوید ہے۔ احمد جاوید کے افسانے 'روایتی انداز کا افسانہ پڑھنے والے قارئین کو بالکل سامنے سے بھی محظوظ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اختصاصی مطالعے کے قارئین بھی ان سے علامتی واستعاراتی سطح پر لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور ان پوشیدہ معانی تک بآسانی پہنچ جاتے ہیں جو افسانہ نگار کا خصوصی منشا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ جوگندر پال، اردو افسانے میں نئی تکنیک اور تجربات، مشمولہ: فنون، لاہور، شمارہ:5، 1977، ص107

2۔ احمد جاوید، "پیادے"، مشمولہ: غیر علامتی کہانی، راولپنڈی: گندھارا بکس، 1983ء، ص52-51

3۔ غلام حسین اظہر، ڈاکٹر، "غیر علامتی کہانی-ایک جائزہ"، مشمولہ: فنون، لاہور، 1983ء، ص432

4۔ قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، لاہور: مجلس، ترقی ادب، 2009ء، ص246

5۔ قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، ص247-246

6۔ احمد جاوید، "افسانہ نگار-کولھو کا بیل"، مشمولہ: غیر علامتی کہانی، راولپنڈی: گندھارا بکس 1983ء، ص62

7۔ ناہید قمر، ڈاکٹر، اردو فکشن میں وقت کا تصور، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2008ء، ص270

8۔ احمد جاوید، "چڑیا گھر"، مشمولہ: چڑیا گھر، راولپنڈی: گندھارا بکس 1996ء، ص72

9۔ محمد منشایاد، "چڑیا گھر"، مشمولہ: چڑیا گھر، راولپنڈی: گندھارا بکس 1996ء، ص27

10۔ مسرت نیلم پروین، "احمد جاوید کا چڑیا گھر"، مشمولہ: کتاب، لاہور، دسمبر 2002ء، جلد: 36، شمارہ: 12، ص36

11۔ قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، لاہور: مجلس ترقی ادب، 2009، ص245
12۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، 2007، ص322
13۔ احمد جاوید، "گمشدہ شہر کی داستان"، مشمولہ: گمشدہ شہر کی داستان، راولپنڈی: گندھارا بکس، 2002، ص33
14۔ نوازش علی، ڈاکٹر، "احمد جاوید کی افسانہ نگاری"، مشمولہ: تخلیق ادب، اسلام آباد، 2005، ص263
15۔ احمد جاوید، "جلتی بجھتی رات"، مشمولہ: گمشدہ شہر کی داستان، راولپنڈی: گندھارا بکس، 2002، ص43
16۔ شفیق انجم، ڈاکٹر، جائزے، اسلام آباد: پورب اکادمی، 2007، ص116-115
17۔ احمد جاوید، "بیر بہوٹی"، مشمولہ: رات کی رانی، اسلام آباد، پورب اکادمی، 2014، ص11
18۔ احمد جاوید، "گالی"، مشمولہ: رات کی رانی، اسلام آباد: پورب اکادمی، 2014، ص25
19۔ احمد جاوید، "گالی"، مشمولہ: رات کی رانی، ص27
20۔ احمد جاوید، "قصہ غم کی ہیروئن"، مشمولہ: رات کی رانی، اسلام آباد: پورب اکادمی، 2014، ص7-106
21۔ نوازش علی، ڈاکٹر، "اردو افسانہ نگاروں کے اسالیب"، مشمولہ: دریافت، شمارہ: 10، اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، جون 2006، ص117

References in Roman Script:

1. Jogandar Pal, “Urdu Afsany mein Taknik awr Tajarbat”, Mashmoola : Fanoon, Issue 5, Lahore, 1977, P107
2. Ahmad Javed, “Piady”, mashmoola: Ghair Alamti Kahani, Rawalpindi: Gandhara Books, 1983, P51-52
3. Ghulam Hussain Azhar, Dr, “Ghair Alamti Aik Jaeza”, mashmoola: Fanoon, Lahore, 1983, P432
4. Qazi Abid, Dr, Urdu Afsana awr Asaateer, Lahore: Majlis Taraqqi e Adab, 1983, P246
5. Qazi Abid Dr, Urdu Afsana awr Asaateer, P246
6. Ahmad Javed, “Piady”, mashmoola: Ghair Alamti Kahani, Rawalpindi: Gandhara Books, 1983, P62
7. Naheed Qamar, Dr, Urdu Fiction mein Waqt ka Tassawur, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, 2008, P270
8. Ahmad Javed, “Chirya Ghar”, Mashmoola: Chirya Ghar, Rawalpidi: Gandhara Books, 1996, P72
9. Muhammad Mansha Yad, “Chirya Ghar”, Mashmoola: Chirya Ghar, Rawalpidi: Gandhara Books, 1996, P27

10. Mussarat Neelam, “Ahmad Javed ka Chirya Ghar”, mashmoola: Kitab, Vol 36, Issue 12, Lahore, Dec 2002, P36
11. Qazi Abid, Dr, Urdu Afsana awr Asaateer, P245
12. Fozia Aslam, Dr, Urdu Afsany mein Asloob awr taknik kay Tajarbat, Islamabad: Porab Academy, 2007, P322
13. Ahmad Javed, “Gumshuda Shehr ki dastan”, Mashmoola: Gumshuda shehr ki dastan, Rawalpindi: Gandhara Books, 2002, P33
14. Nawazish Ali, Dr, “Ahmad Javed ki Afsana Nigari”, mashmoola: Takhleeq e Adab, Islamabad, 2005, P263
15. Ahmad Javed, “Jalti Bujhti raat”, Mashmoola: Gumshuda Shehr ki dastan, Rawalpindi: Gandhara Books, 2002, P43
16. Shafeeq Anjam, Dr, Jaezy, Islamabad: Poorab Academy, 2007, P 115-16
17. Ahmad Javed, “Bair Bahoti”, mashmoola: Rat ki Raani, Islamabad: Poorab Academy, 2014, P11
18. Ahmad Javed, “Gaali”, mashmoola: Rat ki Raani, Islamabad: Poorab Academy, 2014, P25
19. Ahmad Javed, “Gaali”, mashmoola: Rat ki Raani, P27
20. Ahmad Javed, “Gham Ki Heeroin”, mashmoola: Rat ki Raani, P106-7
21. Nawazish Ali, Dr, “Urdu Afsana Nigaaron kay Asaaleeb”, Mashmoola: Daryaft, Issue 10, Islamabad: National University of Modern Languages, 2006, P117